عالمگیریت،سرمایہ داری اور اقبال

Iqbal: Capitalism and Universalism

محمد عامر اقبال*

Abstract

This essay throws light on the universality and its drawbacks, coupled with its adverse effects on different countries and nations. Iqbal sees it as a pawn on the chessboard of Capitalism. He relates it to the western culture and Capitalism. Thus the criticism emerges as revolt against the modern age. Iqbal's references from authentic resources serve as backbone to this essay. Circumstances have been created to improve the American and Western Law all around the world. The movement regarding Universality aimed at improving the political and economic position of the nation, but its so-called liberal leaders used it to harm the Muslim Ummah. America and West have created misconceptions by using the term of Universality. This research article discusses social, political and economic ideas of Iqbal under the perspective of Western and American culture. The Americans and Europeans have used the international moral values and international justice for their business and political targets. Iqbal has also criticised the role of the League of Nations. Iqbal has never agreed with the political views of the Americans and Europeans. To Iqbal, Capitalism is the main cause of spiritual, mental , moral and economic decline of mankind. Due to this, Industrialism has been promoted but the society is deprived of moral values.

---

* پی۔ ایچ۔ ڈی ریسرچ سکالر،معلم شعبہ اردو،چناب کالج، جھنگ۔

تلخیص:

اس مضمون میں عالمگیریت کے منفی اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اقبال کے نزدیک نوآبادیاتی نظام شطرنج کے پیادوں کی طرح ہے۔ آپ نے مغربی تہذیب اور نوآبادیاتی نظام کے اصولوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس طرح عالمگیریت پر تنقید سامنے آتی ہے۔ اقبال کے مستند حوالہ جات سامنے رکھ کر عالمگیریت،سرمایہ داری اور نوآبادیاتی نظام پر تنقید اس مضمون کا اہم ترین نکتہ ہے۔ عالمگیریت میں مغربی ثقافت اور امریکی قوانین کو فروغ دینے کے لیے راہیں ہموار کی گئی ہیں۔ عالمگیریت ایسی تحریک کی صورت اختیار کر چکی ہے جو سیاست اور اقتصادیات کی حدود سے تجاوز کرنے کے بعد براہِ راست اسلام اور امتِ مسلمہ پر حملہ آور ہے۔ عالمگیریت کا دعویٰ کرنے والوں نے بین الاقوامی اخلاق اور عدل کو اپنے تجارتی اور سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ اقبال نے لیگ آف نیشنز کے کردار پر بھی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے اور یورپ کی طرز سیاست پر کڑی تنقید کی۔ یورپ کی فضا مشینوں کے دھویں سے تاریک ہو چکی ہے اور یہ سرمایہ دارانہ نظام کی علمبردار ہے۔ اقبال ان باتوں کو خوب سمجھتے تھے اور یورپی معاملات سے شدید متنفر تھے۔ عالمگیریت ہو،سرمایہ دارانہ نظام ہو یا اشتراکیت،ان سب میں انسانی قدروں کی پامالی کے سوا کچھ نہیں۔ ان کی وجہ سے سودی نظام کو وسعت ملی اور اسلام میں بھی من گھڑت تاویلات کا رویہ پروان چڑھا جو انتہائی نا مناسب ہے۔ انسان کی روحانی اقدار کا جنازہ نکل چکا ہے مگر ہم ہیں کہ اپنی غلطی ماننے کو تیار نہیں ہیں اور ترقی کی دھن میں کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر دوسروں کی تقلید کرتے چلے جا رہے ہیں۔

عالمگیریت کا تأثر کچھ زیادہ عروج نہ پا سکا کہ اس میں عجیب قسم کے طرزِ زندگی کو فروغ ملتا ہے۔ عالمگیریت کے خلاف بین الاقوامی سطح کے احتجاج کو اقبال کے ''عصرِ حاضر کے خلاف اعلانِ جنگ'' (ضربِ کلیم) کے ساتھ مربوط کریں اور سرمایہ دارانہ نظام پر اقبال کے انتقاد کی روشنی میں مستند حوالوں سے تفصیلی تجزیہ کرنا چاہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ عالمگیریت میں دولت کی افزائش، نام نہادفرضی جمہوریت اورصرف اپنے مقاصد کی باز آفرینی اور شہرت کی خاطر انسانی حقوق کے حوالہ سے امریکی قوانین کو رائج کرنے کے لیے راہیں ہموار کی جاتی ہیں۔ عالمگیریت کو لغوی معنوں میں دیکھا جائے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے

ہیں کہ ایسا عمل جس میں مقامی یا علاقائی مظاہر کو عالمگیر بنانے کی جدوجہد کی جائے۔ لہٰذا ہم عالمگیریت کو اس طرح دیکھ سکتے ہیں کہ ایک ایسی عملیت جس سے ساری دنیا کے لوگ ایک معاشرے میں متحد ہوجائیں اور تمام افعال اکٹھے سر انجام دیں۔ عالمگیریت کو مثبت اور منفی ہر دو پہلوؤں سے پرکھا جا سکتا ہے اس کی حمایت میں یہ بات عام طور پر کہی جاتی ہے کہ رسل و رسائل کے ذرائع تیز تر ہوئے ہیں اور دنیا ایک گاؤں کی مانند سمٹ گئی ہے۔ دنیا کے کسی بھی کونے میں ہونے والا کوئی بھی واقعہ پلک جھپکتے میں لوگوں تک پہنچ جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ عالمگیریت کے طفیل ترقی یافتہ ممالک اور ترقی پذیر ممالک کی معاشی، معاشرتی، تعلیمی اور عسکری صلاحیت میں فرق اور فاصلے میں کمی کی جگہ ناقابلِ عبور خلیج میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور یہ فاصلہ بھیانک ٹکراؤ کی شکل بھی اختیار کر سکتا ہے۔

عالمگیریت سے اصل فائدہ وہی قومیں اُٹھا رہی ہیں جو ٹیکنالوجی میں دوسروں سے آگے ہیں۔ معاشی طور پر محروم اقوام اس عالمگیریت سے فائدہ کیسے اُٹھا سکتی ہیں کیونکہ وہ تو ہر وقت پریشانی کے عالم میں گم رہتی ہیں۔ طاقت ور اقوام عارضی طور پر مدد کرتی ہیں اور اس مدد سے وہ اپنی بالادستی پر مہرِ تصدیق ثبت کرلیتی ہیں۔ ان کا مقصد دوسروں کی امداد نہیں بلکہ اپنی اجارہ داری قائم کرنا ہوتا ہے۔ عالمی توازن اور امنِ عالم کا نعرہ محض کمزور اور غریب ممالک کو اپنے پھندے میں پھنسانے کے لیے لگایا جاتا ہے۔ عالمگیریت نے معاشرتی، معاشی اور سیاسی میدان میں یورپ کے تصورِ حیات کو مبنی برحق اور حتمی قرار دیا ہے اور دوسری اقوام پر اسے مسلط کرنے کی حکمتِ عملی اختیار کی ہے۔ یورپی فکر نے اخلاق کا اضافی تصور بھی پیش کیا ہے۔ یہ تصور من مانی ہے۔ ہر انسان اپنی مرضی سے زندگی بسر کر سکتا ہے۔ اس کے لیے مذہب کے اخلاقی تقاضوں کو پورا کرنا ضروری نہیں۔ عالمگیریت کا یہ نکتہ جس بے راہ روی کا باعث بن رہا ہے اس سے ہر شخص واقف ہے۔ انفرادیت پرستی اور مادیت پرستی انسانوں کی عادات کا حصہ بن چکی ہے۔ عالمگیریت کے نام پر جو چال مغرب نے چلی ہے، کمزور ممالک نے اسے اپنا مسیحا سمجھ لیا ہے۔ اس کی حمایت میں مذاکرے منعقد کیے جاتے ہیں اور ماہرین کی تواضع خطابات اور انعامات سے کی جاتی ہے۔ عالمگیریت کا ایک مقصد یہ بھی نظر آتا ہے کہ اقتصادی میدان میں مقامی حکومتوں کے اقتدار

کا خاتمہ کیا جائے اور عالمی معیشت پر اسلام دشمنی کی بالادستی قائم کی جائے۔ اس میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ آزاد تجارت اور معیشت کے نام نہاد نعرے کے ذریعے پوری دنیا کی دولت چند ہاتھوں میں لے جانا چاہتی ہے۔ یہ معاشی استحصال کا عالمگیر ہتھکنڈا ہے جس کے ذریعے چند بالادست، با اختیار طاقتیں دنیا پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتی ہیں۔ معاشی استحصال کا یہ عالمگیر ہتھیار اور ظلم و استحصال کا استعماری پیمانہ ہے۔

عالمگیریت محض سیاسی یا اقتصادی تحریک کا نام نہیں ہے یہ براہِ راست اسلام اور مسلم اُمہ پر حملہ ہے کیونکہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو کہ آفاقی عالمگیر اور ابدی ضابطہء حیات ہے جو معاشی استحصال کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اسلام معاشی میدان میں امانت اور دیانت کے اصول کو متعارف کرواتا ہے اور خدمت کے ساتھ ساتھ فلاحِ انسانیت کا ابدی اور عالمگیر اصول عطا کرتا ہے۔ یہ ہر دور کے معاشی استحصال پر مبنی باطل اور ظالمانہ نظام کے سامنے علمِ بغاوت بلند کرتا ہے۔

اسلام جب اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ ایک نور کی شکل میں جزیرۃ العرب سے نکل کر ہر چار اطراف پھیلنا شروع ہوا تو مغرب میں ایک تہلکہ مچ گیا کہ اگر اس کے لیے مزید سازشوں میں اضافہ نہ کیا گیا تو ہم اپنے وجود کو زمین سے مٹانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ آخر کار دلوں میں چھپی نفرتیں، عداوتیں اور دماغوں پر مسلط غرور اور برتری کے جذبے صلیبی جنگوں کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ جب یہ حملہ بھی کار گر ثابت نہ ہوا تو انہوں نے اپنا ایک نقشہ تیار کیا جس کے لیے انہوں نے اولاً اپنے ہی میں سے فطین دماغوں کا انتخاب کیا اور اس کا نام استشراق رکھا گیا۔ مستشرقین کا میدان کار صرف مذہب اور اس کے حقیقی چہرہ کو مسخ کرنے کی کاوشوں میں مصروفِ عمل دکھائی دینے لگا۔ اسے اشتراکی قوت سے تعبیر کیا گیا۔ اس طرح انہوں نے ایک اور اصطلاح ''استعمار'' قائم کی۔ یہ سامراجیت یا سرمایہ دارانہ نظام تھا۔ اس کا مقصد اپنے مدِ مقابل کو مغلوب کرنا اور اس پر اقتدار قائم کرنا اپنی تہذیب و تمدن کو ان کے معاشرے میں داخل کرنا، ان پر اپنے رسوم و رواج زبردستی تھوپنا اور طاقت کے زور پر دین و مذہب بھی بدلنے کی کوشش کرنا تھا۔

1973ء میں فرانس کے شہر پیرس میں مستشرقین کی انیسویں عالمی کانفرنس ہوئی جس

میں امریکہ کے یہودی مستشرق (برنارڈ لوئیس) نے اپنے بیان میں کہا کہ اب ہمیں مستشرق کی اصطلاح کو تاریخ کے حوالے کر دینا چاہیے۔ چنانچہ اتفاقِ رائے سے اس اصطلاح کو ختم کر کے ایک نئی اصطلاح قائم کی گئی جو آج ''عالمگیریت'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں استشراق اور استعمار دونوں کو متحد کر کے ایک نیا نقشہ تیار کیا گیا ۔

عالمگیریت کا مقصد مختصر اور آسان الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ''مغربیت یا امریکیت'' ہے۔ یعنی پوری دنیا پر امریکی بالادستی کو تھونپ دیا جائے۔ یہ سب ''عالمگیریت'' کی تمہید تھے۔ چنانچہ لیگ آف نیشنز اور پھر اقوامِ متحدہ کا قیام عمل میں آیا جس کے ذیلی اداروں میں ''عالمی بنک'' اور ''انٹر نیشنل مانیٹری فنڈ'' قابلِ ذکر ہیں۔ ان کی بنا پر عالمگیریت نے اقتصادی میدان میں فتح حاصل کی پھر 1974 ء کو ''جنیوا'' میں 23 صنعتی ملکوں کے درمیان ایک معاہد ہ ہوا جس کا مقصد آزاد تجارت کو فروغ دینا تھا تا کہ اس معاہدہ پر دستخط کرنے والے ممالک اپنی منڈیوں کے دروازے ایک دوسرے کے لیے کھول دیں اور چند ایسے اصول مرتب کیے جن سے خود کو مبرا کیا اور اپنے مفادات کی خاطر یہ لائحہ عمل اختیار کیا گیا کہ اپنی مصنوعات کو دیگر منڈیوں میں عام کیا جائے اور زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کیا جائے۔ اس طرح بین الاقوامی منڈیوں کی چیزیں دوسرے ممالک کو ارسال کی جاتی ہیں نتیجہ کے طور پر اپنے ملک کی مصنوعات کا معیار اور قیمت لوگوں کو اچھی نہیں لگتی۔ اس طرح اپنے ملک کی تجارت کا بھٹہ بھی بیٹھ جاتا ہے۔ بہت سے ممالک اس عالمگیریت کا شکار ہوچکے ہیں۔ عالمگیریت کے فروغ کی خاطر خفیہ ایجنسیاں بھی عمل میں لائی گئیں جن کا مقصد عالمگیریت کی راہ میں بننے والی رکاوٹ کو دور کرنا تھا۔

یہ تو تھا عالمگیریت کا مختصر سا نقشہ یا خاکہ۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اقبال عالمگیریت کو کس طرح دیکھتے تھے؟

مغرب میں جمہوریت، مساوات، حقوقِ انسانی اور بین الاقوامی قانون اور اخلاق کا بہت چرچا ہے مگر یورپ کی سامراجی حکومتیں عملی میدان میں جس بے ضابطگی اور پست اخلاقی معیار کا مظاہرہ کرتی ہیں، اسے اقبال کی مومنانہ بصیرت اور نکتہ رس نگاہ نے پرکھا اور بیان کیا ہے۔ اقبال نے عالمگیریت کے سیاسی کردار کو مکڑی کے کاروبار سے تشبیہہ دیتے

ہوئے کہا تھا کہ جس طرح کیڑے مکوڑوں اورمکھیوں کو شکار کرنے کے لیے مکڑی جالے بُنتی ہے اور اس میں انہیں پھنسا کر اپنے پیٹ کا دوزخ بھرتی ہے، بالکل اسی طرح یہ خود ساختہ مہذب اقوام بھی کمزور اور ضعیف اقوام کے علاقوں میں پہلے سازش اور مکرو فریب کا جال پھیلاتی ہیں پھر جب وہ اس جال میں جکڑے جاتے ہیں تو ان کو ہڑپ کر جاتی ہیں۔

امید کیا ہے سیاست کے پیشواؤں سے
یہ خاک باز ہیں، رکھتے ہیں خاک سے پیوند
ہمیشہ مور و مگس پر نگاہ ہے ان کی
جہاں میں صفتِ عنکبوت ان کی کمند (۱)

عالمگیریت کے دعویدار سیاست دان جب یہ چالیں چلنے لگیں تو ابلیس کو بھی خدا یا د آ گیا اور وہ پکارا ٹھا کہ اے خدا اب تو مجھے اُٹھا لے، یہاں اب میرا کوئی کام نہیں رہا۔ اس بے کار زندگی سے ابلیس بھی اُکتایا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔

کہتا تھا عزازیلِ خداوندِ جہاں سے
پر کالہء آتش ہوئی آدم کی کفِ خاک!
جمہور کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تہِ افلاک! (۲)

عالمگیریت کے دعویدار مدبرینِ سیاست کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ ایک طرف تو اندر ہی اندر یہ سازشوں کا جال بچھاتے رہتے ہیں اور جب یہ سازشیں حد سے تجاوز کر جاتی ہیں تو یہ سب اصلاح اور امن پسندی کے مدعی بن جاتے ہیں۔ پھر یہ حق و انصاف کے حامی بن جاتے ہیں اور جبرو استبداد کے دشمن کا روپ دھار لیتے ہیں۔ پھر یہ دنیا کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم تو صرف خیرو اصلاح چاہتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ اپنے مدِ مقابل کو دشمن ثابت کرنے کی سازشیں شروع کر دیتے ہیں۔ پھر یہ دوسروں کو بھی اپنی مدد کے لیے طلب کر لیتے ہیں۔ حقیقت میں تو یہ سب ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہیں۔ یہ سب ظلم و ستم کے امام ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا دامن مظلوموں کے خون سے سرخ ہے۔ ان سب کا نامہء اعمال ان گناہوں سے سیاہ ہے جن کا الزام یہ ایک دوسرے پر

لگاتے ہیں۔ مگر یہ ان کی پرانی عادت ہے کہ جب یہ اپنے گھٹیا مقاصد کے لیے لڑتے ہیں تو اخلاق و انسانیت اور جمہوریت اور کمزور قوموں کے حقوق کی حمایت کا سراسر جھوٹا دعویٰ لے کر دنیا کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ پہلی جنگِ عظیم میں ایک طرف انگلستان، فرانس، روس اور اٹلی جبکہ دوسری طرف جرمنی اور آسٹریا کی جتھہ بندی کن اغراض کے لیے ہوئی تھی۔ کس قسم کے مفاد تھے جن کے لیے یہ دونوں جتھے ایک دوسرے کے مدِ مقابل لڑنے کے لیے آمادہ ہوئے تھے۔ اور پھر ملکوں کی تقسیم اور سلطنتوں کے بٹوارے کی کیا کیا سازشیں انہوں نے کی تھیں۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ جنگ کے آغاز میں اور پھر جنگ کے دوران میں ہر فریق نے کیسے کیسے بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ دنیا کو یہ فریب دینے کی کوششیں کی تھی کہ ہم دنیا کو ظلم و ستم کے تسلط سے بچانے اور ضعیف قوموں کو آزادی کی نعمت سے بہرہ ور کرنے کے لیے لڑ رہے ہیں۔

جب لڑائی میں ایک فریق کو فتح حاصل ہو گئی تو اس نے کس طرح اپنے دعوؤں اور معاہدوں کو پورا کیا؟ اپنی حق پرستی اور انصاف پسندی کی کیسی روشن مثالیں پیش کیں؟ ضعیف قوموں پر آزادی کی نعمت اور مظلوم انسانیت پر عدل کی رحمت کس کس طرح برسائی؟ اس کی شہادت ہندوستان، عراق، شام، فلسطین، مصر، سمرنا، تھریس، ٹیونس، الجزائر اور مراکش کا ایک ایک ذرہ دے رہا ہے۔

یہ لوگ پھر وہی خرقہء سالوس پہن کر ہمارے سامنے آئے۔ کہتے تھے کہ جنگِ عظیم دوم کے میدان میں ہم کسی خود غرضی کی بناء پر نہیں کودے بلکہ ان اصولوں کی حفاظت کے لیے کودے ہیں جو تمام عالمِ انسانی کی فلاح سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس وقت انہوں نے یہ اعلان کیا تھا کہ وہ بین الاقوامی اخلاق کو تباہی سے بچانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ اصول دنیا میں قائم کرنا چاہتے تھے کہ مہذب انسان اپنے اخلاقیات کا فیصلہ معقولیت اور استدلال سے کرے نہ کہ حیوانی قوت کے زور سے۔ یہ لوگ چاہتے تو یہ تھے کہ انسانوں کے معاملات میں جنگل کا قانون جاری نہ ہونے پائے مگر اُن کے دعوؤں میں خلوص نہ تھا۔ جنگل کا قانون تو خود ان کی ریاست میں جاری رہا۔ اخلاق و کردار کے پہاڑ تو خود انہوں نے ملیا میٹ کر دیے۔ کمزوری سے مقابلہ کرنا اور اُنہیں اپنی ریاست کا حصہ بناکر وہاں اپنا راج

قائم کرنا تو اِن عالمگیریت کے دعوے داروں کا اپنا ایجنڈا تھا۔

ان کے وسیع مقبوضات گواہ ہیں کہ دنیا میں جنگل کا قانون نافذ کرنے والے سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر وہی عالمگیریت کے دعویدار ہیں جو جنگل کے قانون کی مخالفت کرتے تھے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے بین الاقوامی اخلاق اور عدل کو اپنے تجارتی اور سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کر لیا۔ جہاں عالمگیریت کے دعوے داروں کا زور چلا وہاں ان کے لیے یہ اخلاقی دعوے کوئی اہمیت نہ رکھتے تھے۔

ضربِ کلیم کی ایک نظم بعنوان " مسو لینی"(اپنے مشرقی اور مغربی حریفوں سے) میں اقبال نے مہذب و متمدن مغرب کے عالمگیر کردار کا تلمیحاً نقشہ کچھ یوں کھینچا ہے:

کیا زمانے سے نرالا ہے مسولینی کا جرم!
بے محل بگڑا ہے معصومانِ یورپ کا مزاج
میں بھٹکتا ہوں تو چھلنی کو بُرا لگتا ہے کیوں
ہیں سبھی تہذیب کے اوزار! تو چھلنی، میں چھاج
میرے سودائے مُلو کیت کو ٹُھکراتے ہو تم
تم نے کیا توڑے نہیں کمزور قوموں کے زُجاج؟
یہ عجائب شعبدے کس کی مُلوکیت کے ہیں
راجدھانی ہے، مگر باقی نہ راجا ہے نہ راج
آلِ سیزر چوبِ نے کی آبپاری میں رہے
اور تم دنیا کے بنجر بھی نہ چھوڑ دیئے خراج!
تم نے لُوٹے بے نَوا صحرا نشینوں کے خیام
تم نے لُوٹی کشتِ دہقاں، تم نے لُوٹے تخت و تاج
پردہء تہذیب میں غارت گری، آدم کشی
کل روا رکھی تھی تم نے، میں روا رکھتا ہوں آج!(۳)

مسولینی نے جب ابی سینا پر حملہ کیا تو یورپی حکومتوں نے اس پر بڑی لے دے کی تھی۔ اس وقت کی جمیعت اقوام کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا گیا۔ مسولینی کے خلاف بعض

ایسی قرار دادیں بھی منظور کروائی گئیں جس میں ایک حد تک اٹلی سے تعلق توڑا گیا تھا۔ اقبال نے اس نظم میں مسولینی کی حمایت نہیں کی بلکہ اس کی زبان سے عالمگیریت کا دعوے دار یورپی سامراج کی مذمت کرائی ہے اور وہ خود بھی اس مذمت کا مستحق ٹھہرا ہے۔

اقبال جب اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان گئے تو مغربی تہذیب کا بغور مطالعہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ تہذیب کسی بھی طرح امتِ مسلمہ کے لیے سود مند نہیں ہے۔ مغربی تہذیب اور امریکی پالیسیوں نے اب عالمگیریت کی جو شکل اختیار کی ہے اس کا عندیہ اقبال نے ہمیں 1907ء ہی میں دے دیا تھا۔ اقبال کی نظم ''مارچ 1907ء'' (۴) کا مطالعہ اسی تناظر میں کرنا چاہیے۔ اقبال نے جس "شیر "کے بے دار ہونے کی خبر دی تھی وہ ''شیر'' دراصل امتِ مسلمہ کا استعارہ تھا۔ اقبال نے براہِ راست دیارِ مغرب کے رہنے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے اصل اور نقل کی بات کی تھی اور کہہ دیا تھا کہ تمہاری تہذیب بھی خود اپنے ہاتھوں سے خودکشی کر لے گی۔ گویا اقبال آج کی عالمگیریت کا نقشہ شروع ہی سے دیکھ رہے تھے۔ پہلے صدا بلند کی اور پھر بات اعلانِ جنگ تک آ پہنچی، مغرب والوں نے گٹھ جوڑ کر لیا اور جمعیتِ اقوام کا جادو چلا دیا۔

پہلی جنگِ عظیم کے بعد فاتح اقوام نے جمعیت اقوام یعنی لیگ آف نیشنز کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کا مقصد یہ بتایا تھا کہ تمام قومیں آپس میں مل جل کر رہیں اور اگر ان میں دو یا دو سے زیادہ قوموں میں جھگڑا پیدا ہو تو باقی قومیں ان میں صُلح کرادیں۔ لیکن اصل میں یہ ایک ڈھونگ تھا جو فاتح قوموں نے اس لیے گھڑا تھا کہ وہ آسانی سے اپنے مقاصد پورے کر سکیں۔ اقبال کے نزدیک یہ کفن چوروں کا ہجوم تھا جو آپس میں مل کر بیٹھ گئے تھے۔ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ قبروں کو آپس میں بانٹ لیا جائے اور پھر اپنے اپنے حلقے سے کفن چوری کیے جائیں۔ اس جمعیت اقوام کا مرکز جنیوا تھا جو سوئٹزر لینڈ کا مشہور شہر تھا۔ اقبال نے مسلم اقوام کے لیے مکہ اور فرنگی جمعیتِ اقوام کے لیے جنیوا تجویز کیا۔ فرنگی جمعیت اقوام کے بارے میں اقبال کی رائے کبھی اچھی نہ رہی۔ اقبال کی یہ خواہش رہی کہ مسلمان اپنی ایک جداگانہ جمعیت بنا لیں اور اس طرح اپنے اندر عمل کی وحدت پیدا کر لیں۔ اقبال نے اپنی نظم ''مکہ اور جنیوا'' (۵) میں یہ نظر یہ پیش کیا ہے کہ اسلام

انسانوں میں وحدت پیداکرنے کے لیے آیا ہے۔ اقبال نے اس نظم میں واضح کیا ہے کہ جمعیتِ اقوام بنانے والوں کو یہ حقیقت معلوم نہ ہوئی کہ اصل مقصود مختلف قوموں کو ملانا نہیں بلکہ انسانوں کے درمیان وحدت پیدا کرنا ہے۔ اہلِ یورپ نے جو جمعیت اقوام بنائی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ حسنِ تدبیر سے قوموں اور ملتوں میں تفرقہ ڈالا جائے اور انہیں ایک دوسرے سے الگ کر دیا جائے۔ اسلام کامقصد صرف یہ تھا کہ پوری انسانی دنیا ایک رشتے میں پروئی جائے اور متحد ہوجائے۔ امریکہ نے اس نکتے سے خوفزدہ ہو کر عالمگیریت کا جال بچھایااور مکڑی کی طرح کمزور ممالک کو کھانا شروع کر دیا۔ اقبال نے اپنی بات سمجھانے کے لیے مکہ کا پیغام استعمال کیا جو جنیوا کے نام ہے۔ مکہ نے جنیوا سے کہاکہ تمہارے ہاں قوموں کی جوجمعیت بنی ہے یہ اصل مقصود نہیں ہے اصل مقصود یہ ہے کہ انسانوں کو اکٹھا کیا جائے اور ان میں برادرانہ روابط استوار کیے جائیں۔

اقبال یورپ کی سیاست سے توبہ کرتے تھے۔ اپنی نظم ''سیاستِ افرنگ''(۶) میں کہتے ہیں کہ اے خدا اہلِ یورپ کی سیاست بھی تیری قدرت کا مقابلہ کرتی ہے مگر افرنگی سیاست کو پوجنے والے صرف امیر اور رئیس ہیں جب کہ تجھے امیر اور غریب سب ہی پوجتے ہیں۔ یورپی سیاست کا سارا کاروبار ابلیسی ہے۔ یہ سیاست جہاں جہاں پہنچی، اس نے انسانوں میں ابلیس کی سی صفات پیدا کر دیں۔ عالمگیریت کے دعوے دار اس رنگ کو مثبت قرار دے رہے ہیں جبکہ اسلامی نکتہ نگاہ سے یہ ابلیسی چال ہے۔ اقبال کی ایک خواہش یہ بھی تھی کہ مشرقی قومیں بھی اپنی ایک جمعیت بنا لیں جس طرح پہلی جنگِ یورپ کے بعد مغربی اقوام نے بنا لی تھی۔ جنیوا مغربی قوموں کی جمعیت کا مرکز تھا۔ اقبال فرماتے تھے کہ تہران مشرقی قوموں کی جمعیت کا مرکز بنے۔ اس لیے اقبال نے نظم ''جمعیتِ اقوام مشرق''(۷)میں کہا۔

یورپ والوں نے پانی کو بھی مسخر کر لیا اور ہوا کو بھی۔ یعنی فضاؤں میں اور سمندروں میں ان کے جہاز دوڑتے نظر آتے ہیں۔ اقبال نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ شاید بوڑھے آسمان کی نگاہ بدل جائے اور وہ یورپ سے رخ پھیر لے۔ یورپ نے ملوکیت یعنی سامراج یا امپیر یلزم کا جو خواب دیکھا ہے، کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس خواب کی تعبیر کچھ اور ہوجائے۔ یورپ والوں نے عالمگیریت کاجونقشہ کھینچا تھا وہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد کھینچا

تھا۔ مگر جس طرح یورپی سامراج کے تمام نقشے پارہ پارہ ہو گئے تھے ویسے ہی ان کے سرمایہ دارانہ نظام کے بھی حصے بخرے ہو جائیں گے۔ اقبال نے کبھی مکہ کو اور کبھی تہران کو مرکز بنانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اقبال دراصل فرنگی سیاست کو لا دین سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ شیطان کی لونڈی تھی۔ اس سے انسانوں کے ضمیر مردہ ہو جاتے ہیں۔ فرنگیوں نے اپنی بقا کے لیے بہت سے نظام متعارف کروائے۔ انقلابِ فرانس کے بعد صنعتی انقلاب آیا۔ اس کی خصوصیت خود غرضی اور مفاد پرستی کے سوا کچھ نہ تھی۔ جاگیردارانہ نظام میں کسان پر ظلم ہوتا تھا لیکن اسے تحفظ بھی ملتا تھا۔ مگر صنعتی دور میں کارخانہ دار اور سرمایہ دار ایک بے رحم مشین کی صورت اختیار کر گیا جو خالص مشینی انداز سے مارتا تھا۔

کارخانہ دار اور سرمایہ دار نے جو نیا نظام متعارف کرایا اس میں فرد کی انفرادیت اور اس کی آزادی کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ حکومت کی تشکیل اور قانون سازی میں جاگیر دار کی جگہ سرمایہ دار نے لے لی۔ سرمایہ دارانہ نظام پر اقبال کی تنقید کے دو مظاہر ہیں۔ ایک طریقہ پر وہ مزدور کی مظلومیت اور محرومیت کو اجاگر کرتے ہیں۔ اور اس کے لیے وہ سرمایہ داری کے مخالف ہر حوالہ کو استعمال کرتے ہیں اور دوسرے طریقہ پر وہ اسلام کے حیات بخش اصولوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسانیت کی نجات اس میں ہے کہ وہ اسلامی اصولوں کو اپنا ئیں۔ اقبال نے سرمایہ دار کی چیرہ دستیوں، فریب کاریوں اور حق تلفیوں کے خلاف احتجاج بھی کیا ہے اور مزدور کے حقوق کی منصفانہ حمایت کرتے ہوئے اس کی ترجمانی بھی کی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام انسان کی روحانی، ذہنی، اخلاقی اور معاشی حالت کو تباہ کرنے کا ذمہ دار ہے۔ علامہ اقبال نظامِ سرمایہ داری کے بارے میں پختہ رائے رکھتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ نظام خرد مندانِ مغرب کی ایسی حکمت ہے جس نے ہوس کے خونخوار پنجے میں تیز دھار تلوار تھما دی ہے جس کی قطع و برید ہی انسانوں کی تمام تر مشکلات، ان کے مصائب، ان کی بیچارگی و بے بسی اور رسوائی کا سبب بنی ہوئی ہے۔

وہ حکمت ناز تھا جس پر خرد مندانِ مغرب کو
ہوس کے پنجۂ خونیں میں تیغ کارزاری ہے
تدبر کی فُسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا

جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے(۸)

اقبال کہتے تھے کہ یورپ میں حکومت اور تجارت سب کچھ ہے مگر وہاں کی فضا ء مشینوں کے دھویں سے کالی ہو چکی ہے۔ اقبال کا خیال تھا کہ ان حالات میں وہاں تجلی کی بارش نہیں ہو سکتی۔

یہ عیشِ فراواں، یہ حکومت، یہ تجارت
دل سینہء بے نور میں محرومِ تسلی
تاریک ہے افرنگ مشینوں کے دھویں سے
یہ وادیٔ ایمن نہیں شایانِ تجلی(۹)

مغربی تہذیب جو سرمایہ دارانہ نظام کی علمبردار ہے اقبال نے اس پر سخت تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ اس تہذیب نے لوٹ مار کو لوگوں / قوموں کا ذریعہ معاش بنا دیا ہے۔ یہ بھیڑ یا کسی بھیڑ کے میمنے کی تلاش میں ہے۔

ہونے کو ہے یہ مُردہ دیرینہ قاش قاش
تہذیب کا کمال شرافت کا ہے زوال
غارت گری جہاں میں ہے اقوام کی معاش
ہر گرگ کو ہے بُرّہ معصوم کی تلاش! (۱۰)

ایک اور مقام پر خضر کے حوالہ سے سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف بیزاری کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں۔

بندہ ٔمزدور کو جاکر مرا پیغام دے
خضر کا پیغام کیا، ہے یہ پیامِ کائنات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دارِ حیلہ گر
شاخِ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
دستِ دولت آفریں کو مُزد یوں ملتی رہی
اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ
ساحرِ الموت نے تجھ کو دیا برگِ حشیش

اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخِ نبات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات (۱۱)

اقبال نے مشینوں کی حکومت کو دل کے لیے موت قرار دیا اور کہا کہ آلات تو احساسِ مروت تک کچل دیتے ہیں۔ اقبال نے خدا سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ اے خدا تو نے قاعدہ مقرر کر رکھا ہے کہ برائی کا بدلہ برائی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ سرمایہ پرستی کی برائیوں کا بدلہ ابھی تک اسے نہیں ملا اور یہ کب ملے گا؟

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ؟
دنیا ہے تری منتظر روزِ مکافات! (۱۲)

اقبال نے ''پیامِ مشرق'' میں ''قسمت نامہ سرمایہ دار و مزدور'' (۱۳) میں طنز کیا ہے۔ سرمایہ دار کی داد طلب فیاضی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ صرف زمین ہی سرمایہ دار کی ملکیت ہے اور وہ صرف اُس پر اکتفا کرتا ہے اور ساری کائنات جس میں جنت بھی شامل ہے مزدور کے حوالے کر دی ہے۔ اس نظم کا ہر شعر طنز کی تصویر ہے اور اقبال نے اس میں سرمایہ دار کی ذہنیت کو عریاں کیا ہے ۔ اقبال سرمایہ دارانہ نظام اور روش کو جملہ سیاسی و عمرانی مصائب و معائب کی جڑ خیال کرتے تھے۔ مفکرین نے اسے اقبال کی سیاسی اور عمرانی فکر کا اہم تر پہلو قرار دیا ہے(۱۴) نظم ''نوائے مزدور'' میں مزدوراس عمرانی معاہدے کو تار تار کرنے کے عزم کا اظہار کرتا ہے۔ (۱۵) مزدور کہتا ہے کہ اس کی محنت سے نکھٹو سرمایہ دار کو ریشم کا لباس ملا ہے۔ مزدور کی محنت سے سرمایہ دار کی انگلی میں خوبصورت موتی کی انگوٹھی ہے اور مزدور کے بچے کا بہتا ہوا آنسو سرمایہ دار کے گھوڑے کی زین کا موتی بنا ہے۔ لالہ و گل کی بہار مزدور کے جگر سے بہنے والے لہو کی وجہ سے ہے۔ اقبال کی چند باتوں سے لوگوں نے یہ اخذ کیا کہ اقبال اشتراکی تھے یا وہ سوشلزم کے قائل تھے۔ خواجہ غلام السیدین کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''سوشلزم کے معترف ہر جگہ روحانیت کے مذہب کے خلاف ہیں، اور اس کو افیون تصور کرتے ہیں۔ لفظ افیون اس ضمن میں سب سے پہلے کارل مارکس نے استعمال کیا تھا۔

سوشلزم، سو اسلام خود ایک قسم کا سوشلزم ہے، جس سے مسلمان سوسائٹی نے آج تک بہت کم فائدہ اُٹھایا ہے''۔(۱۶)

اور پطرس بخاری کا جواب کہ:

''اقبال ایشیائی تھا اور مسلمان تھا۔ بحیثیت مسلمان کے اس کا عقیدہ ازحد واضح اور اس کے جذبات فدائیانِ اسلام کے لیے تھے۔ وہ ایسی غلام قوم کا فرد تھا جس پر ایک مغربی سرمایہ دار قوم حکمران تھی۔ اس لیے اس کے دل میں آزادی کی تڑپ تھی اور وہ سرمایہ دار حکومت کی عیاریوں سے متنفر تھا۔ وہ حب الوطنی سے عاری نہ تھا لیکن وہ اسلام کو وطنیت سے برتر سمجھتا تھا اور اسے یہ ہرگز گوارا نہ تھا کہ ہندی مسلمان ہندوستان کی دوسری قوموں میں مدغم ہو جائیں۔ ۔ ۔ مسلمانوں کے اخلاص اور تنگدستی اور سرمایہ داروں کی چیرہ دستیوں کو دیکھتے ہوئے اس کے دکھوں کا علاج انہیں اشتراکیت میں نظر آتا تو وہ اشتراکیت کا خیر مقدم کرتے لیکن اگر اشتراکیت کا کوئی پہلو ان کی دانست میں انہیں اسلام کے مطابق معلوم نہ ہوتا تو اس سے اپنی برأت کا اظہار بھی ضروری سمجھتے تھے۔ وہ اشتراکیت اور بیسویں صدی کی سیاسیات کو ماہر اقتصادیات کی نظر سے نہیں بلکہ فدائی اسلام کی نظر سے دیکھتے تھے اور اس کے مطابق اس سے متاثر ہوتے تھے کیونکہ وہ اسلام کے نظریہ حیات کو بنی نوعِ انسان کی نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے"۔(۱۷) کچھ لوگوں نے اقبال پر بالشویک نظریات سے متاثر ہونے اور انہیں پسند کرنے کی بات بھی کی تھی۔ اس کا سخت جواب اقبال نے دیا۔ ایڈیٹر ''زمیندار'' کے نام خط لکھا اور سختی سے تر دید کی۔ (۱۸)

اشتراکیت کا بطور ایک سیاسی و معاشی تحریک کے مطالعہ اقبال کا ایک اہم اور دلچسپ موضوع رہا ہے۔(۱۹)

اشتراکیت کے متعلق اقبال کا نکتہء نظر سمجھنے کے لیے بالِ جبریل کی تین مسلسل نظموں کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ ''لینن خدا کے حضور''(۲۰) ''فرشتوں کا گیت'' (۲۱) اور پھر اسی نظم کا دوسرا حصہ ''فرمانِ خدا (فرشتوں سے)'' (۲۲) آگے چل کر ارمغانِ حجاز کی طویل نظم ''ابلیس کی مجلسِ شوریٰ''(۲۳) میں سب کچھ کہہ دیا اور اپنا مؤقف بھی واضح کر دیا۔

دراصل اقبال کا نکتہء نظر یہ تھا کہ اشتراکیت کا انقلاب ملوکیت اور سرمایہ دارانہ استبداد کا خاتمہ تو کر دے گا لیکن خود اشتراکیت کو استبداد میں تبدیل ہونے سے کون بچا سکے گا۔ اقبال نے اشتراکی انقلاب کو فرسودہ طریقوں سے زمانے کی بیزاری سے تعبیر کیا۔

اندیشہ ہوا شوخیِ افکار پہ مجبور
فرسودہ طریقوں سے زمانہ ہوا بیزار (۲۴)

اقبال نے لات و منات توڑ ڈالنے والے کردار کو سراہا۔

یہ وَحی دَہریَتِ رُوس پر ہوئی نازل
کہ توڑ ڈال کلیسائیوں کے لات منات! (۲۵)

مثنوی پس چہ باید کردا اے اقوامِ مشرق میں اقبال کی تنقید مغربی نظاموں پر شدت اختیار کر جاتی ہے۔ مثنوی کے مرکزی موضوع میں اقبال مغربی اقوام کے خود غرضانہ، جنگجویانہ اور اسلحہ بند طرزِ عمل پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اقوامِ مشرق کو بیدار اور بے حسی و بے عملی ترک کرنے کا درس دیتے ہیں۔ نوعِ انسانی فرنگیوں کے ہاتھوں بڑی ہی نالاں ہے۔ زندگی نے اہلِ فرنگ سے کئی زخم پائے ہیں۔ تو پھر اے مشرقی اقوام اب کیا ہونا چاہیے تاکہ مشرق کا دور پھر سے روشن ہوجائے۔ اشیا کا علم ہماری خاک کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتا ہے لیکن افسوس کہ یورپ میں اس کی تاثیر مختلف انداز میں ظاہر ہوئی ہے۔ اہلِ مغرب کی دانش تو ایسے ہی ہے جیسے کندھے پر تلوار ہو۔ یہ بنی نوعِ انسان کی ہلاکت کے درپے ہے۔

خلاصہ کلام

عالمگیریت ہو،سرمایہ دارانہ نظام ہو یااشتراکیت ان سب میں انسانی قدروں کی پامالی کے سوا کچھ نہیں۔ ان سے معیشت کے ارکان میں حسد اور حرص کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ انسانی قدریں پامال ہوتی ہیں۔ سرمایہ دار امیر سے امیر تر ہوتا ہے اور عام انسان غربت کے اندھروں میں بھٹکتا رہتا ہے۔ سودی نظام اپنی جڑیں مضبوط کرتا ہے۔ اعلیٰ قدروں کی بحالی کا عمل صرف اسلامی تعلیمات میں پوشیدہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ خلوصِ نیت سے اسلامی تعلیمات پر عمل کیا جائے اور ان کی تفسیر و تعبیر میں کسی بھی قسم کے من گھڑت اضافے سے اجتناب برتا جائے تاکہ ہم اسلام کو اس کی اصل شکل میں دیکھ اورپڑھ سکیں اور اسلام کو پروان چڑھانے میں مثبت کردار ادا کر سکیں۔

حوالہ جات

۱۔ اقبال، کلیاتِ اقبال، ضربِ کلیم، سیاسی پیشوا (لاہور، اقبال اکادی پاکستان) اشاعت ششم 2004، ص669

۲۔ اقبال، کلیات ِ اقبال اردو، بالِ جبریل، ابلیس کی عرض داشت، ص492

۳۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ضربِ کلیم، مسولینی، ص661

۴۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، بانگِ درا، مارچ1907ء، ص 166

۵۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ضربِ کلیم، مکہ اور جنیوا،ص 570

۶۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ضربِ کلیم، سیاست افرنگ، ص 654

۷۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ضربِ کلیم، جمعیتِ اقوامِ مشرق، ص 659

۸۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، بانگِ درا، طلوعِ اسلام، ص 305

۹۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ضربِ کلیم، یورپ اور یہود،، ص 651

۱۰۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ضربِ کلیم، *الیٰ سینیا*، ص 657

۱۱۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، بانگِ درا، خضرِ راہ، سرمایہ و محنت، ص 291

۱۲۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، بالِ جبریل، لینن، ص 436

۱۳۔ اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی، پیامِ مشرق، قسمت نامہ، سرمایہ و مزدور(لاہور۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز) ص385

۱۴۔ ڈاکٹر شاہد اقبال کامران، اقبال دوستی (اسلام آباد، پورب اکادمی) 2009ء،صفحہ نمبر 154

۱۵۔ اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی، پیامِ مشرق، نوائے مزدور، ص 386

۱۶۔ اقبال، کلیاتِ اقبال مکاتیبِ اقبال، جلد چہارم، مرتبہ، سید مظفر حسین برنی (دہلی ۔ اردو اکادی)سنِ اشاعت 1998ء، ص 401

۱۷۔ پطرس بخاری، خطبہء صدارت، ادبیات(اسلام آباد۔ اکادمی ادبیات پاکستان) جلد 15 شمارہ61، 2003ء، ص 192

۱۸۔ اقبال، کلیاتِ اقبال مکاتیبِ اقبال جلد دوم، مرتبہ سید مظفر حسین برنی (دہلی۔ اردو اکادمی) اشاعتِ دوم 1993ء، ص 453

۱۹۔ شاہد اقبال کامران، ڈاکٹر، اقبال دوستی، ص 155

۲۰۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، لینن(خدا کے حضور)، بالِ جبریل، ص 433

۲۱۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، بالِ جبریل، فرشتوں سے، ص 436

۲۲۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، بالِ جبریل، فرمانِ خدا(فرشتوں سے)ص 437

۲۳۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ارمغانِ حجاز، ابلیس کی مجلسِ شوریٰ، ص 701

۲۴۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ضربِ کلیم، اشتراکیت، ص 648

۲۵۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ضربِ کلیم، بلشویک روس، ص 653